© rasailojaraid.com

سلاطین دہلی کے تعلیمی رجحانات

محمد شفیع مرزا

جنوبی ایشیا میں دور سلاطین کو مسلمانوں کے سیاسی اقتدار اور ثقافتی کارناموں کی وجہ سے تاریخ عالم میں ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے۔اس دور میں مسلمانوں کی ثقافتی خدمات و ترقیات بڑی متنوع اور شاندار ہیں جن کا مکمل احاطہ اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں۔ بہرحال یہاں اس عہد کے تہذیبی و ثقافتی کارناموں میں سے صرف تعلیمی خدمات کا ایک جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

تعلیم کا حصول اور اس کی اشاعت کو اسلامی تہذیب و ثقافت کے جسد ظاہری کے لئے روح حیات کی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ عالم اسلام میں درس و تدریس کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ مدارس و جامعات کا بڑا وسیع نظام قائم ہوا۔اس سلسلے میں جو اہم تعلیمی مراکز زیادہ مشہور ہوئے ان میں جنوبی ایشیا کے حوالے سے خراسان خاص طور پر قابل ذکر ہے کیونکہ اسلامی نظام تعلیم کی نمایاں روایات خراسان سے غوری فاتحین کی وساطت سے برصغیر میں منتقل ہوئیں جہاں انہیں خوب فروغ حاصل ہوا۔نصاب تعلیم میں وقت کی ضرورت کے مطابق معمولی رد و بدل کیا گیا جس کی وجہ سے تدریسی مضامین میں کچھ اضافہ ہوا لیکن بنیادی ڈھانچہ وہی رہا۔اس نصاب تعلیم کے مطابق تدریس کے درج ذیل تین مراحل تھے۔[1]

۱۔مکتب: قرآن مجید ناظرہ اور فارسی زبان کی ابتدائی تعلیم

۲۔مدرسہ فارسی: فارسی زبان اور پھر اس کے ذریعے دنیاوی علوم کی تعلیم

۳۔مدرسہ عربی: عربی زبان، دینی علوم اور علوم عالیہ کی تعلیم

برصغیر میں دور سلاطین کا آغاز سلطان معزالدین محمد بن سام شہاب الدین محمد غوری کی فتح ہند سے ہوتا ہے۔اکثر وقت جنگ و جدل میں گزارنے کے باوجود سلطان محمد غوری نے تعلیمی سرگرمیوں کی طرف بھی خاصی توجہ دی۔اجمیر کی فتح کے بعد اس نے بہت سی مساجد اور مدارس قائم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کئے تاکہ اسلامی تعلیمات کے نظام کو وسعت دی جاسکے ۔اس کی تعلیمی پالیسی کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس نے اپنے غلاموں کی تعلیم و تربیت پر بھی خاص توجہ دی اور انہیں علوم زمانہ کے ساتھ ساتھ فنون حکومت کی بھی تعلیم دلوائی ۔ان میں سے قطب الدین ایبک، تاج الدین یلدوز اور ناصر الدین قباچہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔[۲]

محمد غوری کے زمانے میں اس کے ایک جرنیل محمد بختیار خلجی نے بنگال اور بہار کو فتح کرکے ایک نیا شہر رنگ پور آباد کیا اور اسے اپنا دارالحکومت بنا کر مساجد اور مدارس کی تعمیر کا اہتمام کیا۔ اس کے علاوہ دیگر شہروں میں بھی مدارس تعمیر کرائے ۔ محمد غوری کے ایک اور جرنیل ناصرالدین قباچہ نے ملتان میں مولانا قطب الدین کاشانی کی تشریف آوری پر ان کے لئے ایک بہترین دارالعلوم تعمیر کرایا ۔مولانا کاشانی اپنے عہد کے بے نظیر عالم تھے جو مذکورہ دارالعلوم میں تدریس کی خدمات انجام دیتے تھے[۳] قباچہ نے اچ میں بھی ایک مدرسہ قائم کیا جس میں مشہور مورخ قاضی منہاج الدین السراج جرجانی تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے ۔[۴]

محمد غوری کا جانشین سلطان قطب الدین ایبک ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور علم سے محبت رکھنے والا شخص تھا اور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی سے گہری دلچسپی رکھتا تھا، علماء و فضلا کا قدر دان تھا ۔اس نے اسلامی تعلیمات کو فروغ دینے کے لئے ایک بہت بڑی جامع مسجد المعروف ادینہ مسجد دہلی تعمیر کرائی جو مسلمانوں کے لئے اسلامی تعلیمات کے سلسلے میں مرکزی حیثیت کی حامل تھی ۔[۵] اس کے علاوہ بھی اس نے کافی تعداد میں مسجدیں تعمیر کرائیں کیونکہ اس وقت تک مسجدیں ہی دراصل تعلیمی فروغ و اشاعت کا ذریعہ تھیں ۔قطب الدین ایبک کے نائب بختیار خلجی نے بھی ملک کے مختلف حصوں میں بے شمار مساجد، دانش گاہیں اور خانقاہیں تعمیر کرائیں ۔[۶]

قطب الدین ایبک کا جانشین سلطان التمش اہل علم کا قدر شناس اور تعلیمی ترقی سے گہری دلچسپی رکھتا تھا ۔وقت کے بہترین علماء اس کے دربار سے وابستہ تھے ۔[۷] اس طرح اس نے اپنے دور حکومت میں تعلیمی سرگرمیوں کو بڑا فروغ دیا ۔اس نے دہلی میں ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرکے اس کا نام "مدرسہ معزیہ" رکھا، جو علم و فضل کا گہوارہ تھا ۔[۸]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

التمش کا بیٹا ناصرالدین محمود عالم ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی درویش صفت بادشاہ تھا جو اپنے دور حکومت میں علمی ترقی کے لئے اپنا حق پوری طرح سے ادا کرتا تھا۔ سراج کی مشہور تاریخ طبقات ناصری جو ناصرالدین محمود ہی کے نام سے منسوب کی گئی اسی سلطان کے دربار میں لکھی گئی تھی[9]۔ اس نے اپنے زمانہ حکومت میں متعدد مدارس کی تعمیر کرکے علم کی سرپرستی کی۔ جالندھر میں ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا اور دہلی میں مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مدرسہ ناصریہ قائم کیا۔ اس مدرسے میں قاضی منہاج السراج کو مدرس اعلیٰ کے عہدے پر فائز کیا جو عرصے تک اس مدرسے میں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے[10]۔ ناصرالدین محمود تعلیم کی سرپرستی پر بے دریغ پیسہ خرچ کرتا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے جید علماء اور تعلیمی مفکرین کے لئے وظائف مقرر کر رکھے تھے[11]۔

خاندان غلاماں کے دور میں نصاب گرامر (بشمول صرف و نحو)، ادب، خطابت، منطق، اصول فقہ، فقہ اسلامی، تفسیر، حدیث، تصوف، اور کلام پر مشتمل تھا۔ گرامر میں مصباح کافیہ اور قاضی بیضاوی کی لب الالباب درسی کتب کے طور سے نافذ تھیں۔ بعد میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی ارشاد بھی نصاب میں شامل کردی گئی۔ ادب میں مقامات حریری سب سے بڑی کتاب تھی۔ علی بن عمر نجم الدین الکاتب القزوینی کی کتاب الرسالۃ الشمسیہ کوئی چھ سو برس تک تمام مسلمان اداروں میں منطق کی بنیادی درسی کتاب رہی۔ شمسیہ کی شرح بھی نصاب کا حصہ تھی۔ فقہ میں الھدایہ نصابی کتاب تھی۔ اصول فقہ پر منارالانوار از حافظ الدین ابوالبرکات النسفی اور علی محمد یزدی کی کتاب کنزالوصول الیٰ معرفت الاصول نصابی کتابیں تھیں۔ تفسیر میں مدارک، کشاف اور بیضاوی شامل نصاب تھیں۔ حدیث میں مشارق الانوار اور مصابیح السنہ شامل نصاب تھیں۔ تصوف میں شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف، اور ابن العربی کی فصوص الحکم کو درسی کتاب کی حیثیت حاصل تھی۔ لیکن بعد میں تصوف میں فصوص کی شرح نقدالنصوص اور بہاؤالدین زکریا ملتانی کے ایک مرید فخرالدین عراقی کا ایک رسالہ لمعات بھی نصاب میں شامل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو گیا۔ علم کلام میں شرح الشریف اور مقدمہ ابو شکور سلمی شامل نصاب تھیں۔ پندرھویں صدی عیسوی کے آخر تک بحثیت مجموعی یہی نصاب جاری رہا۔[12]

خاندان غلاماں کے بعد خاندان خلجی نے حکومت سنبھالی۔ خلجی خاندان کے بانی سلطان جلال الدین کا علمی ذوق بہت نمایاں تھا۔ وہ عالموں اور فاضلوں کی خاطر خواہ قدر دانی کرتا تھا۔ اس نے اپنے زمانے میں دہلی کے شاہی کتب خانہ کے مہتمم کے طور پر حضرت امیر خسرو کو مقرر کیا[13]۔ اس کے بعد علاؤالدین خلجی نے بھی تعلیم کی خدمت جاری رکھی۔ اس کے عہد میں بہت سی مساجد اور دارالعلوم تعمیر ہوئے۔ اس نے وقت کے بہترین علماء ان دارالعلوموں میں بطور مدرس مقرر کئے۔ اس کی تقلید کرتے ہوئے اس کے دور حکومت کے امراء بھی تعلیمی ترقی کے لئے دل کھول کر روپیہ صرف کرتے تھے[14]۔

یہ تاریخ کی ایک انوکھی مثال ہے کہ علاوالدین خلجی علم سے بے بہرہ تھا لیکن تخت نشین ہونے کے کچھ عرصہ بعد اسے علم کے فوائد کا احساس ہوا تو اس نے تعلیم کی طرف توجہ دی۔ جب فارسی کی کتابیں سمجھنے کے قابل ہوا تو اس نے علماء کی صحبت سے بھی فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ برنی کے بیان کے مطابق اس سلطان کے زمانے میں علم بدیع و بیان، فقہ، اصول فقہ، اصول دین، نحو اور تفسیر وغیرہ کے بعض اتنے بڑے علماء دہلی میں جمع تھے جو بخارا، سمرقند، بغداد، قاہرہ، دمشق، اصفہان اور تبریز کے عالی مرتبت علماء سے بھی زیادہ فاضل تھے[15]۔ ان میں حضرت نظام الدین اولیا بھی شامل تھے جن کے ذاتی کتب خانے میں بیش قیمت اور مختلف علوم و فنون پر مبنی وقت کی بہترین کتب موجود تھیں[16]۔

علاؤالدین خلجی کے جانشین سلطان مبارک شاہ خلجی نے کوئی قابل قدر تعلیمی خدمات انجام نہ دیں۔ تاہم اس کی یہ بہت بڑی خدمت تھی کہ اس نے ضبط شدہ جاگیریں اور زمینیں ان کے مالکوں کو واپس کر دیں جس کی وجہ سے مردہ یا نیم مردہ تعلیمی اداروں میں یقیناً جان پڑ گئی ہوگی[17]۔

عہد خلجی کا نصاب تعلیم اور مروجہ کتابیں حسب ذیل تھیں[18]۔

نحو: کافیہ، لب الالباب مصنفہ، قاضی ناصرالدین بیضاوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہ: ہدایہ

اصول فقہ: منار، اصول بزدوی

تفسیر: مدارک، بیضاوی، کشاف

تصوف: عوارف، فصوص

حدیث: مشارق الانوار اور مصابیح السنۃ

ادب: مقامات حریری

منطق: شرح شمسیہ

فن کلام: شرح صحائف، تمہید ابو شکور سلمی

غیاث الدین تغلق نے مبارک شاہ خلجی کے زمانہ کی کدورت دور کر کے نئے سرے سے علماء و فضلاء کی سرپرستی کی اور علماء، شیوخ و سادات کو وظائف عطا کئے، اس کے زمانے میں ایک فقہ بھی مرتب ہوئی جو سلطنت دہلی کے بعض معاملات پر مشتمل تھی۔ تعلیم کی سرپرستی کرتے ہوئے متعدد مدارس بھی قائم کئے گئے۔ سلطان محمد بن تغلق خود نہایت فاضل آدمی تھا۔ ادبیات، طب، منطق، فلکیات اور ریاضیات میں دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ فلسفہ یونان کا بھی ماہر تھا[19]۔ وہ علماء کی صحبت سے خوب فائدے اٹھاتا تھا۔ اس کے دربار میں ایک ہزار شعراء اور بارہ سو طبیب تھے۔ کھانے پر بیٹھتا تھا تو دو سو فقہا اس کے دسترخوان پر ہوتے تھے جن سے وہ عالمانہ مذاکرات کیا کرتا تھا[20]۔

محمد بن تغلق نے ملک کے مختلف حصوں میں مدارس و مکاتب قائم کر کے ان میں ہزاروں فقہا کو درس و تدریس کے فرائض سرانجام دینے کے لئے مقرر کیا۔ ان تمام مدارس کے اخراجات اور اساتذہ کی تنخواہیں شاہی خزانے سے ادا کی جاتی تھیں۔ طلبہ ہر قسم کے اخراجات سے مستثنیٰ تھے۔ ان مدارس میں بچوں کو ابتدائی تعلیم دی جاتی تھی۔ انہیں لکھنا اور پڑھنا سکھایا جاتا تھا۔ ابتدائی تعلیم کے مدارس کے علاوہ اعلیٰ تعلیم کی درسگاہیں بھی کافی تعداد میں قائم تھیں۔ خلیق احمد نظامی کی تحقیق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مطابق اس سلطان کے زمانے میں صرف دہلی میں اعلیٰ تعلیم کے ایک ہزار مدارس تھے"[۲۱]۔

محمد بن تغلق تو اپنے علم و فضل کی وجہ سے بڑا مشہور اور ابن بطوطہ کے الفاظ میں "عجوبہ روزگار" تھا لیکن فیروز تغلق بھی علمی سرپرستی میں نمایاں ہونے کی وجہ سے تاریخ میں نیک نام اور مقبول بادشاہوں میں شمار کیا جاتا ہے[۲۲]۔ اس کے دور میں فقہ، قرات، اصول فقہ، اصول کلام، تفسیر، حدیث، مقوی (خطابت) بیان، طب اور خطاطی کے مضامین درس و تدریس کا حصہ تھے اعلیٰ تعلیم کے نصاب کی جامعیت کا اندازہ اس امر سے ہوتا تھا کہ ان کے فارغ التحصیل افراد معاشرے میں قاضی، مفتی اور منتظم کے طور سے حکومت کا کاروبار چلاتے تھے۔ فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں اعلیٰ تعلیم کے میدان میں بڑی ترقی ہوئی۔ اس نے تیس بڑے بڑے مدارس تعمیر کرائے تھے جن میں سے مدرسہ فیروز شاہی کو مسلم دنیا میں علم و فضل کے مرکز کی حیثیت سے خاصی شہرت حاصل تھی یہ مدرسہ اقامتی طرز پر قائم تھا۔ مولانا جلال الدین رومی اس مدرسے کے پرنسپل تھے"[۲۳]۔

فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں ہندوؤں کی تعلیم کا بھی مناسب انتظام موجود تھا جہاں سے تعلیم حاصل کر کے ہندو بھی کئی ایسے عہدوں پر فائز تھے جن پر فارسی اور عربی کے علم کے بغیر فرائض کی بجا آوری ممکن نہ تھی۔ فیروز شاہ نے ہندو علوم کی بہت سی کتب جو جوالا مکھی مندر نگر کوٹ (کانگڑہ) میں موجود تھیں کا فارسی ترجمہ کرایا تاکہ ان علوم سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کیا جا سکے"[۲۴]۔ اس زمانے کے ایک شاعر عزیز الدین خالد خانی نے ایک کتاب کا ہندی نظم سے فارسی نثر میں ترجمہ کیا جس کا نام خود سلطان فیروز شاہ تغلق نے دلائل فیروز شاہی رکھا۔

فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں نصاب تعلیم علم فقہ، اصول فقہ، قرات، اصول کلام، تفسیر، حدیث، معانی و بیان، صرف و نحو، علم نظر (فلسفہ)، ریاضی، طبعیات، الہیات، طب اور تحریر و خط نویسی پر مشتمل تھا۔[25]

فیروز شاہ تغلق کے بعد محمود تغلق کے زمانے میں تیمور کے حملے کی وجہ سے نظام درہم برہم ہو گیا اور تعلیم کا کاروبار بھی ختم ہو گیا۔ اس کے بعد سادات خاندان کا دور آیا تو بھی تعلیمی اصلاح کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔ بالآخر بہلول لودھی نے آخری سید بادشاہ علاؤالدین سے اقتدار چھین کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت کا انتظام خود سنبھال لیا۔اس نے بدایوں جاکر کچھ مساجد، مقبرے اور مدرسے تعمیر کرکے تعلیمی نظام کو دوبارہ قائم کیا۔اس طرح جلد ہی بہت سے مدارس کھل گئے اور دہلی سے سو میل کے اندر علم کا ایک اور مرکز پیدا ہو گیا[۲۶]۔اس نے آگرہ شہر کی بنیاد ڈالی جو علمی ذوق اور تعلیمی ترقی کا ایک بہترین مرکز بنا۔مآثر رحیمی میں بہلول کی تعلیمی خدمات کو بہت سراہا گیا ہے[۲۶]۔

سکندر لودھی نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد مسجدوں کی تعمیر کرائی اور ایک کالج بھی قائم کیا جس میں اس نے بہت سے علماء اور متقی اصحاب کو بطور مدرس مقرر کیا۔اس کے زمانے میں ہندوؤں نے فارسی کی تعلیم میں ترقی شروع کی اور اسی کے دور میں ہندوستان میں اردو زبان کی ابتداء ہوئی۔سکندر لودھی کی سرپرستی میں بہت سی کتابوں کی تصنیف، ترجمہ، اور تدوین و تالیف کا کام بھی ہوا اور علم ادویات و معالج الامراض کی کتاب ارگر مہا بیدگ کا ترجمہ کرکے طب سکندری کے نام سے موسوم کیا گیا۔یہ کتاب بیماریوں کے علاج کے لئے اپنے وقت کی ایک بہترین کتاب تھی۔ترجمے کی وجہ سے اسکا عام استعمال آسان ہو گیا[۲۸]۔ایک روایت کے مطابق اس کتاب میں ایک ہزار ایک سو سات امراض اور ان کے معالجے کا بیان ہے[۲۹]۔

سکندر لودھی نے آگرہ شہر کو دارالحکومت کا درجہ دے دیا جس کی وجہ سے علماء و فضلا کی خاصی تعداد اس طرف منتقل ہو گئی۔ان علماء و فضلا کے آگرے آجانے کی وجہ سے شہر میں علمی فضا پیدا ہو گئی اور سکندر لودھی نے ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں کئی تعلیمی مراکز قائم کر دیئے اس کے علاوہ اس نے دوسرے شہروں میں بھی مدرسے قائم کئے[۳۰]۔

اس نے تعلیم عامہ کا پروگرام بھی نافذ کیا اور خاص طور سے فوجیوں کے لئے یہ حکم جاری کیا کہ فوج کے تمام افسر تعلیم یافتہ ہونے چاہییں[۳۱]۔اس کے زمانے میں عام لوگوں میں حصول علم کا شوق نمایاں ہوا اور خاص طور سے فوجیوں میں علم و ادب اور ہنر کی فضیلت سے استفادے کا ذوق پیدا ہوا[۳۲]۔

سکندر لودھی کے زمانے میں نصاب میں بھی بعض تبدیلیاں ہوئیں۔ملتان کے دو بڑے پروفیسر شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ ان تبدیلیوں کے محرک تھے۔شیخ عبداللہ دہلی میں رہائش پذیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے جبکہ شیخ عزیز اللہ سنبھل میں۔ جلد ہی شیخ عبداللہ اپنے دور کے سب سے بڑے استاد کی حیثیت سے مشہور ہوگئے۔ انہوں نے سلطانی کالج کی مہتمی کے دوران میں محسوس کیا کہ خطابت، منطق اور کلام میں نصاب کا معیار کچھ اونچا نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے گرامر میں سکاکی کی مفتاح العلوم کا اضافہ کر دیا اور منطق اور کلام میں بالترتیب قاضی عضد کی متعلی اور مواقف کو شامل کر دیا گیا۔ جلد ہی میر سید شریف اور سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی کے زیر اثر نصاب میں کچھ اور اضافے ہوگئے۔ یعنی منطق میں شرح المتعلی اور کلام میں شرح المواقف، تفتازانی کی مطول اور مختصر بھی نصاب میں شامل ہوگئیں۔ نیز فقہ میں تلویح اور کلام میں شرح عقائد نسفی کو نصابی کتاب بنا دیا گیا۔ پھر بتدریج فقہ میں شرح الوقایہ اور گرامر میں شرح ملا جامی شامل نصاب ہوگئیں[۳۳]۔

سکندر لودھی کے زمانے میں تعلیمی مدارس کے نصاب میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ نصاب میں آٹھ کتابوں کا اضافہ کر کے پہلے سے موجود نصاب کی ہیئت ہی تبدیل ہوگئی۔ لودھی دور کے نصاب کی تفصیل درج ذیل ہے[۳۴]۔

۱۔ نحو: مصباح، کافیہ، لب الالباب، ارشاد، شرح جامی

۲۔ فقہ: ھدایہ، شرح وقایہ

۳۔ اصول فقہ: منار الانوار، اصول بزدوی، تلویح

۴۔ تفسیر: مدارک، بیضاوی، کشاف

۵۔ تصوف: عوارف المعارف، فصوص الحکم، نقد النصوص، لمعات

۶۔ حدیث: مشارق الانوار، مصابیح السنۃ

۷۔ ادب: مقامات حریری

۸۔ منطق: شرح شمسیہ، شرح مطالع

۹۔ کلام: شرح صحائف، تمہید ابو شکور، شرح عقائد نسفی، شرح مواقف

۱۰۔ بلاغت: مطول، مختصر المعانی

دور سلاطین میں حکمت تدریس کے ضمن میں بچوں سے حروف ابجد کی نقل نویسی کرائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتی تھی ۔ رٹانے کا رواج عام تھا۔ آموختہ یاد کرنے کے لئے اعادے کا طریقہ عام طور سے اپنایا جاتا تھا ۔ استاد سوالات کے ذریعے طلبہ کی تحصیل کی جانچ کرتا تھا ۔ اعلیٰ تعلیم کی سطح پر لیکچر میتھڈ کا استعمال عام تھا جس میں طلبہ استاد کے لیکچر کے نوٹس لیتے تھے ۔ اس کے علاوہ بحث و تمحیص کا طریقہ بھی رائج تھا جس کے ذریعے طلبہ میں تخلیقی صلاحیتوں کی نشوونما کی جاتی تھی ۔ دس سال سے زیادہ عمر کے بچوں کو بدنی سزا دی جاسکتی تھی جس کی مقدار عام طور سے ہلکی ہلکی تین چھڑیوں سے دس چھڑیوں تک ہوتی تھی ۔ بچوں کو تدریسی اوقات کے بعد روک لینے کی سزا بھی کبھی کبھی دی جاتی تھی اس ضمن میں استاد کے سامنے ہر وقت روز قیامت کی جواب دہی کا خوف ہوتا تھا مبادا وہ اپنے شاگرد سے زیادتی کر جائے ۔ امیر و غریب سب سے یکساں سلوک کیا جاتا تھا البتہ یتیموں سے خصوصی حسن سلوک کیا جاتا تھا ۔ جمعرات اور جمعہ کو چھٹی ہوتی تھی ۔ رمضان میں یا تو تعطیلات ہوتی تھیں یا پھر جزوی کام ہوتا تھا ۔ محرم میں کام بند ہوتا تھا[۳۵] ۔

اساتذہ اور والدین کی ذمے داری تھی کہ بچوں میں اخلاقی شعور پیدا کریں اور انہیں معاشرتی زندگی کے لئے تیار کریں ۔ پیشہ ورانہ اخلاقیات کے ضمن میں یہ تصور واضح تھا کہ استاد کو مادی فائدے پر نظر نہیں رکھنی چاہیئے ۔ تدریس کا معیار طالب علم کی سطح کے مطابق رکھنا چاہیئے اور پس ماندہ طالب علم کی حوصلہ شکنی نہیں کرنی چاہیئے ۔

تعلیم عام اور مفت تھی لیکن ہر تعلیم یافتہ شخص تدریس کا اہل نہیں تھا ۔ اس غرض کے لئے کسی مسلم استاد سے اجازت حاصل کرنا ضروری تھا[۳۶] ۔

حوالہ جات

۱ ۔ سید محمد سلیم ، ہندو پاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور ، ۱۹۸۰ء ، ص ص ۳ ۔ ۲ ۔

۲ ۔ عبدالمجید سالک ، مسلم ثقافت ہندوستان میں ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ، ۱۹۶۵ء ، ص ۸ ۔ ۱۸۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ محمد سعید احمد، آثار خیر، مکتبہ صابریہ، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص، ۱۴

۴۔ محمد سلیم، حوالہ سابقہ، ص ص ۱۔۷۰

۵۔ عبدالحی، مولانا سید، نزہت الخواطر، حصہ اول، (مترجم) ابو یحییٰ امام خان، مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۶۵ء، ص ص ۸۔۲۷۷

۶۔ این این لا، عہد اسلامی میں تعلیمی ترقی، (مترجم) اخلاق حسین زبیری، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی، ۱۹۶۵ء ص ص ۲۔۴۰

۷۔ منہاج السراج، طبقات ناصری، جلد اول، (مترجم) غلام رسول مہر، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ص ۷۹۔۸۴۷

۸۔ عبدالحمید سالک، حوالہ سابقہ، ص ۱۸۸

۹۔ ایضاً، ص ص ۹۔۱۸۸

۱۰۔ مفتی انتظام اللہ شہابی، اسلامی نظام تعلیم کا چودہ سو سالہ مرقع، جناح لٹریری اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۳۲

۱۱۔ History of the Punjab (ed.) , Fauja Singh, vol. III, Patiala, 1977, p. 379.

۱۲۔ G.M.D. Sufi, Al-Minhaj, Muhammad Ashraf, Lahore, Second Edition, 1981, p. 14 - 29.

۱۳۔ عبدالحمید سالک، حوالہ سابقہ، ص ۱۹۱

۱۴۔ این این لا، حوالہ سابقہ، ص ص ۵۹۔۴۹

۱۵۔ عبدالحمید سالک، حوالہ سابقہ، ص ص ۲۔۱۹۱

۱۶۔ محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، جلد اول، (مترجم) عبدالحیٔ خواجہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۳۷۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۷۔این این لا، حوالہ سابقہ، ص ص ۵۹۔۴۹
۱۸۔خلیق احمد نظامی، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ت۔ن، ص ۶۔۲۵
۱۹۔Ishwari Parsad, A History of Muslim Rule in India
The Indian Press, Allahabad, 1964, p.105.
۲۰۔عبدالمجید سالک، حوالہ سابقہ، ص ص ۴۔۱۹۳
۲۱۔خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۵۸ء، ص ۳۵۳
۲۲۔خالد یار خان، تاریخ تعلیم، اردو مرکز، لاہور، ۱۹۶۰ء، ص ص ۱۔۳۰۰
۲۳۔Manzur Ahmad, Sultan Firoz Shah Tughlaq, Allahabad,
1978, pp 97-101.
۲۴۔عبدالمجید سالک، حوالہ سابقہ، ص ص ۷۔۱۹۶
۲۵۔خلیق احمد نظامی، حوالہ سابقہ، ص ۴۲۹
۲۶۔عبدالمجید سالک، حوالہ سابقہ، ص ۱۹۷
۲۷۔این این لا، حوالہ سابقہ، ص ۹۱
۲۸۔ایضاً، ص ص ۴۔۹۳
۲۹۔محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند۔دسویں صدی ہجری، جلد سوم، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۱۲
۳۰۔مفتی انتظام اللہ، حوالہ سابقہ، ص ۳۴
۳۱۔عبدالحمید، حوالہ سابقہ، ص ص ۸۔۱۹۷
۳۲۔خواجہ نعمت اللہ ہروی، تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی، (مترجم) محمد بشیر حسین، مرکزی اردو بورڈ لاہور، طبع اول ۱۹۷۸ء، ص ص ۸۰۔۱۷۸
۳۳۔جی ایم ڈی صوفی، حوالہ سابقہ، ص ص ۳۔۳۲
۳۴۔بختیار حسین صدیقی، برصغیر پاک و ہند میں قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم، ادارہ ثقافت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامیہ، لاہور، ۱۹۶۰ء، ص ص ۲-۳

۳۵- جی ایم ڈی صوفی، حوالہ سابقہ، ص ص ۵-۴۰

۳۶- ایضاً

© rasailojaraid.com